وصیت بالاعضاء کی اسلامی حیثیت

علامہ احمد علی سندیلوی

انسانی جسم یا اعضاء کو بطورِ صدقہ یا عطیہ دینے کی وصیت جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ وصیت مالِ متقوم کی ہوتی ہے، انسانی جسم اور اعضاء میں اصل عدم مالیت ہے، اگرچہ بعض اوقات رقیت کی بنا پر اس میں مالیت آ جاتی ہے مگر وہ عارضی اور طاری ہوتی ہے نہ کہ اصلی۔ چنانچہ قرآن و سنت سے ہمارے اس دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔

دلائلِ قرآنی:

قرآن کریم کی کسی بھی آیت میں انسان کو مال نہیں کہا گیا بلکہ مال کے مقابلے میں انسان کا ذکر ہوا۔ درج ذیل چند آیات تحریر کی جاتی ہیں۔

۱۔ قوله تعالىٰ : اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَيْرَاتِ (۱)

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ان کو مال اور اولاد میں ترقی دے رہے ہیں انہیں پہنچانے میں جلد کر رہے ہیں۔

۲۔ قوله تعالىٰ : المال و البنون زينة الحياة الدُّنيا (۲)

مال اور بیٹے، دنیوی زندگی کی رونق ہیں۔

۳۔ قوله تعالىٰ : يوم لا ينفع مال ولا بنون الا من اتى الله بقلب سليم (۳)

جس دن مال اور اولاد نفع نہیں دے گی مگر جو اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا۔

۴۔ عتل بعد ذلك زنيم. ان كان ذا مال و بنين (۴)

بڑا اجڈ اس کے بعد بداصل بھی ہے اس لئے کہ وہ مال اور بیٹوں والا ہے۔

۵۔ قوله تعالىٰ : فقال لصاحبه وهو يحاوره' انا اكثر منك مالا و اعز نفراً ○ (۵)

پھر اس نے اپنے ساتھی سے باتیں کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

میں بھی زیادہ ہوں اور جماعت کے لحاظ سے بھی زیادہ معزز ہوں۔

۶۔ قولہ تعالٰی: ان ترن انا اقل منک مالا و ولدًا ○ (۶)

اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہیں تجھ سے مال اور اولاد میں کم ہوں۔

۷۔ قولہ تعالٰی: افرئیت الذی کفر بایتنا وقال لاوتین مالا و ولدًا (۷)

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور کہتا ہے کہ مجھے ضرور مال اور اولاد ملے گی۔

۸۔ قولہ تعالٰی: وجعلت مالا ممدودًا ○ و بنین شھودًا ○ (۸)

اور اس کو میں نے بڑھنے والا مال دیا اور حاضر رہنے والے بیٹے دیئے۔

۹۔ قولہ تعالٰی: قال نوح رب انھم عصونی واتبعوا من لم یزدہ مالہ ولدہ' الا خسارًا ○ (۹)

نوح نے کہا اے میرے رب بے شک انہوں نے میرا کہنا نہ مانا اور اس کو مانا جس کو اس کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ بھی فائدہ نہیں دیا۔

۱۰۔ قولہ تعالٰی: ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات ط (۱۰)

اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے۔

۱۱۔ قولہ تعالٰی: تأکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم و انتم تعلمون ○ (۱۱)

تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ گناہ سے کھا جاؤ حالانکہ تم جانتے ہو۔

۱۲۔ قولہ تعالٰی: ان الذین یأکلون اموال الیتمٰی ظلما انما یأکلون فی بطونھم نارًا ط (۱۲)

بیشک جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں۔

۱۳۔ قولہ تعالٰی: و اخذھم الرّبوٰ و قد نھو عنہ و اکلھم اموال الناس بالباطل (۱۳)

اور ان کے سود لینے کے سبب سے حالانکہ اس سے منع کئے گئے تھے اور اس

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

سبب سے کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے۔

۱۴۔ قوله تعالیٰ : وامددناكم بأموال و بنين و جعلناكم اكثر نفيرًا ٥(۱۴)

اور تمہیں مال اور اولاد میں ترقی دی اور تمہاری جماعت بڑھادی۔

۱۵۔ قوله تعالیٰ : قل ان كان ابائكم و ابنائكم و ازواجكم و عشيرتكم و اموال اقترفتموها و تجارة تخشون كسادها و مسٰكن ترضونها (۱۵)

فرمادو اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور بیویاں اور برادری اور مال جو تم نے کمائے اور سوداگری جس کے بند ہونے سے تم ڈرتے ہو اور مکانات جنہیں پسند کرتے ہو۔

۱۶۔ قوله تعالیٰ : و شاركهم في الاموال والاولاد وعدهم (۱۶)

اور ان کے مال اور اولاد میں بھی شریک ہوجا اور ان سے وعدے کر۔

۱۷۔ قوله تعالیٰ : و تكاثر في الاموال والاولاد (۱۷)

اور ایک دوسرے پر مالوں اور اولاد میں زیادتی چاہتا ہے۔

۱۸۔ قوله تعالیٰ : انك اتيت فرعون و ملاهٗ زينة و اموالا في الحيوٰة الدنيا۔(۱۸)

اے رب ہمارے تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی کی آرائش اور ہر طرح کا مال دیا۔

۱۹۔ قوله تعالیٰ : واعلموا انما اموالكم و اولادكم فتنة و ان الله عنده اجر عظيم ٥(۱۹)

اور جان لو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایک امتحان کی چیز ہے اور بے شک اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔

۲۰۔ قوله تعالیٰ : وما اموالكم ولا اولادكم بالتي تقربكم عندنا زلفٰى (۲۰)

اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی چیز نہیں جو تمہیں مرتبہ میں ہمارے قریب کردے۔

۲۱۔ قولہ تعالیٰ : و قالوا نحن اکثر اموالاً و اولادا وما نحن بمعذبین ٥(۲۱)
اور یہ بھی کہا کہ ہم مال اور اولاد میں تم سے بڑھ کر ہیں اور ہمیں کوئی عذاب نہ دیا جائے گا۔

۲۲۔ قولہ تعالیٰ : لیاکلون اموال الناس بالباطل و یصدون عن سبیل اللہ (۲۲)
لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

۲۳۔ قولہ تعالیٰ : کانوا اشد منکم قوۃ و اکثر اموالا و اولادا (۲۳)
تم سے طاقت میں زیادہ تھے اور مال اولاد میں بھی زیادہ تھے۔

۲۴۔ قولہ تعالیٰ : ولا تاکلوا امولھم الیٰ اموالکم انہ کان حوباً کبیرا ٥(۲۴)
اوران کے مال اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ یہ بڑا گناہ ہے۔

۲۵۔ قولہ تعالیٰ : ولا تؤتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیامًا (۲۵)
اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہاری زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا ہے بے سمجھوں کے حوالے نہ کرو۔

۲۶۔ قولہ تعالیٰ : فادفعوا الیھم اموالھم ولا تأکلوھا اسرافاً و بدارًا ان یکبروا (۲۶)
تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور انصاف کی حد سے تجاوز کرتے ہوئے یتیموں کا مال نہ کھاؤ اوران کے بڑے ہونے کے ڈر سے ان کا مال جلدی نہ کھاؤ۔

۲۷۔ قولہ تعالیٰ : انفروا خفافاً و ثقالا و جاھدوا باموالکم و انفسکم فی سبیل اللہ (۲۷)
تم ہلکے ہو یا بوجھل نکلو اور اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں لڑو۔

۲۸۔ قولہ تعالیٰ : و ان تؤمنوا و تتقوا یؤتکم اجورکم ولا یسئلکم اموالکم (۲۸)
اور اگر تم ایمان لاؤ اور پرہیز گاری اختیار کرو تو تمہیں تمہارے اجر دے گا

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

اورتم سے تمہارے مال نہیں مانگے گا۔

۲۹۔ قولہ تعالیٰ : و تجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم (۲۹)
اورتم اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرو۔

۳۰۔ قولہ تعالیٰ : لا تلھکم اموالکم ولا اولادکم عن ذکر اللہ (۳۰)
تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولاد اللہ کے ذکر سے غافل نہ کردیں۔

۳۱۔ قولہ تعالیٰ : انما اموالکم و اولادکم فتنۃ (۳۱)
تمہارے مال اور اولاد تمہارے لئے محض آزمائش ہیں۔

۳۲۔ قولہ تعالیٰ : وما اتیتم من ربا لیربوا فی اموال الناس فلا یربو عنداللہ (۳۲)
اور جو سود پر تم دیتے ہو تاکہ لوگوں کے مال میں بڑھتا رہے سو اللہ کے ہاں وہ نہیں بڑھتا۔

۳۳۔ قولہ تعالیٰ : و ان تبتم فلکم رؤس اموالکم (۳۳)
اور اگر توبہ کرلو تو اصل مال تمہارا تمہارے واسطے ہے۔

۳۴۔ قولہ تعالیٰ : لتبلون فی اموالکم و انفسکم (۳۴)
البتہ تم اپنے مالوں اور جانوں میں آزمائے جاؤ گے۔

۳۵۔ قولہ تعالیٰ : ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسکم و اموالکم بان لھم الجنۃ (۳۵)
بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کی جان اور مال اس قیمت پر خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے۔

انتقال اعضائے انسانی کے مجوز علماء کو اس آیت سے مغالطہ ہوا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ انسان جسم و اعضاء کا مالک ہے۔ لہٰذا پیوندکاری کے لئے اپنے اعضاء دے سکتا ہے اور مرنے کے بعد وصیت بھی کرسکتا ہے۔ انہوں نے آیت میں مذکور اشتریٰ سے اصطلاحی بیع و شراء سمجھ کر اس پر اپنے مفروضوں کی عمارت تعمیر کرلی حالانکہ تمام مفسرین متفقہ طور پر لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اشتریٰ سے مراد اصطلاحی بیع و شراء نہیں۔ (۳۶)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ : ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

نیز تمام کتب فقہ میں صراحت کے ساتھ یہ مسئلہ موجود ہے کہ اگر کسی شخص کی چیز دوسرے شخص کے پاس بطور امانت موجود ہو تو امین کو اس بات کا حق نہیں ہوتا کہ وہ کسی اور شخص کو امانت کی چیز فروخت کر دے نہ اس کو یہ حق ہے کہ وہ صاحب مال سے اس مال کو فروخت کر کے معاوضہ وصول کرے۔ یا امانت والی چیز کا ہبہ یا عطیہ کرے۔ یا کسی کے لئے اس کی وصیت کرے۔ لہٰذا آیت مذکورہ میں اگر شراء سے مراد حقیقی ہے تو اللہ تعالیٰ ہر مؤمن انسان کی جان و مالک کا مال ہو گیا اور یہ چیزیں انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں۔

ظاہر ہے کہ کسی مؤمن کے لئے اس بات کی اجازت نہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنی جان و مال میں کسی قسم کا مالکانہ تصرف کرے نہ کسی کو بیچے، نہ ہبہ یا عطیہ کرے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے خود اس کو تصرف کی اجازت دی ہو، جیسا کہ اموال میں باری تعالیٰ نے انسان کو مالکانہ تصرف کرنے کی اجازت دی ہے لیکن انسان کے جسم و جان میں اس کا اختیار نہیں دیا کہ کسی کو فروخت کر دے یا کسی کو ہبہ یا عطیہ کے طور پر دیدے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم میں جب انسان کی جان و مال کے بدلے میں جنت دینے کو شراء (خریداری) سے تعبیر کیا گیا ہے تو لازماً شراء (خریداری) کے لئے جس طرح مقام اور محل شراء (خریداری کی جگہ) کا ہونا ضروری ہے اسی طرح یہاں پر بھی محل اور مقام شراء ہونا ضروری ہوا تا کہ دونوں چیزوں کا لین دین ہو سکے۔ آیت مذکورہ میں "یقاتلون فی سبیل اللّٰہ فیقتلون" کا ٹکڑا محل شراء کا بیان واقع ہوا ہے۔ یعنی جب انسان جہاد اور میدان جہاد میں جان و مال خرچ کر دیں گے تب انہیں جنت ملے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان جب تک اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق اپنے جان و مال کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرے گا اس وقت تک انسانی جان وجسم اور مال کی تسلیم (سپردگی) الی اللہ نہ ہو گی۔ یعنی بیع کی تسلیم نہ ہو گی تو اس کا بدل جنت کس طرح ملے گی۔ پھر قبل تسلیم اس میں ایسا تصرف جس میں مبیع (مالِ فروخت) کے نقصان اور ضائع ہونے کا اندیشہ ہو کیونکر درست ہو گا۔ (۳۷)

اس آیت کے تحت امام فخر الدین رازی ایک حدیث نقل فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیے:

"قال الصادق والمصدوق علیہ الصلوٰۃ والسلام لیس لا بدانکم ثمن الا الجنۃ فلا تبیحوھا الا بھا" (۳۸)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

یعنی نبی صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت کے علاوہ تمہارے ابدان کی کوئی قیمت نہیں ہے اس کو جنت کے سوا کسی چیز کے بدلہ میں مت فروخت کرو۔

حدیث مذکور سے درج ذیل باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ انسانی جسم کی کوئی قیمت وثمن دنیا میں نہیں ہے بخلاف مال کے کہ اس کی قیمت اور ثمن ہوتا ہے۔

۲۔ جب جسم انسانی کی کوئی قیمت وثمن دنیا میں نہیں ہے تو وہ قابل معاوضہ بھی نہیں ہے۔ بخلاف مال کے کہ وہ قابل معاوضہ ہے۔ لہٰذا انسانی جسم کو مال پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

۳۔ شئ قابل معاوضہ نہیں اسے فروخت کرنا جائز نہیں لہٰذا جسم انسانی کا فروخت کرنا جائز نہیں جبکہ مال کا فروخت کرنا جائز ہے۔

۴۔ جسم انسانی قابل انتقال و قابل تملیک نہیں، شئ قابل تملیک نہیں ہوتی اس میں وصیت و وراثت جائز نہیں ہوتی اسی وجہ سے انسان کو اس بات کا حق نہیں ہوتا کہ وہ مرنے سے پہلے اپنے جسم کے بارے میں وصیت کرے کہ فلاں کو دے دینا۔ اسی طرح اعضاء کے بارے میں بھی وصیت نہیں کر سکتا کہ فلاں کو فلاں عضو اور فلاں کو فلا عضو دے دینا۔ انسان کے مرنے کے بعد اس کی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ سب میں وراثت جاری ہوتی ہے، ورثاء بعد میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ لیکن میت کے جسم میں وراثت جاری نہیں ہوتی اس کو فروخت کر کے یا بغیر فروخت تقسیم کرنا جائز نہیں ہے خواہ ورثاء بھوکے پیاسے مر رہے ہوں۔ (۳۹)

آیت۔ اشتریٰ میں اموالھم کا عطف انفسھم پر ہو رہا ہے اور عطف میں معطوف اور معطوف علیہ ایک دوسرے سے مغایر ہوتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ انسان کی طرف نفس اور مال کی نسبت ایک جیسی نہیں ہے۔ اسی طرح مذکورہ بالا تمام آیات کریمہ میں کہیں مال کا اولاد انسان، نفس انسان پر عطف ہے کہیں اضافت جس طرح عطف میں معطوف اور معطوف علیہ مغائد ہوتے ہیں۔ اضافت میں مضاف اور مضاف الیہ مغائد ہوتے ہیں۔ ان تمام آیتوں سے واضح ہو گیا کہ انسان مال نہیں ہے، اور اسی طرح اعضاء انسانی بھی مال نہیں ہیں۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible] [illegible]

[illegible]

[illegible]

ابقیت لاھلک فقلت مثلہ و اتی ابوبکر بکل ما عندہ' فقال یا
ابابکر ما ابقیت لا ھلک فقال ابقیت لھم اللہ و رسولہ (۴۵)
اتفاقاً اس وقت میرے پاس مال بہت تھا تو میں نے سوچا کہ اگر میں کسی
دن ابوبکر سے بڑھ سکا تو آج بڑھ جاؤں گا، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنا
آدھا مال لایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے اپنے بال
بچوں کے لئے کیا چھوڑا، میں نے کہا آدھا مال چھوڑا ہے اور ابوبکر سارا مال
لائے جو ان کے پاس تھا فرمایا اے ابوبکر تم نے اپنے گھر والوں کے لئے کیا
رکھا ہے۔ عرض کیا کہ میں نے ان کے لئے اللہ اور رسول رکھا ہے۔

ان تمام احادیث میں مال کی اضافت انسان کی طرف ہے۔ بالخصوص یقول ابن ادم مالی مالی' میں مطلقاً مال کی اضافت انسان کی طرف ہوتی ہے۔ مؤمن و کافر کا کوئی امتیاز نہیں کیا۔ جس سے واضح ہو گیا کہ انسان خواہ مؤمن ہو یا کافر مال نہیں ہے۔ ان کے علاوہ بھی بہت احادیث ایسی ہیں جن میں مال کی اضافت انسان کی طرف ہوتی ہے ہم انہی پر ختم کرتے ہیں۔

انتقال اعضاء انسانی کی وصیت کے مجوزین صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں:

عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قال رجل
لم یعمل حسنۃ قط لاھلہ اذا مات فحر قوہ ثم ادروا نصفہ فی
البر و نصفہ فی البحر فو اللہ لئن قدرَ اللہ علیہ لیعذبنہ عذابا لا
یعذبہ احدا من العالمین فلما مات الرجل فعلوا ما امرھم فامر اللہ
البر فجمع ما فیہ و امر البحر فجمع ما فیہ ثم قال لم فعلت ھذا
قال من خشیتک یا رب و انت اعلم فغفرا اللہ لہ (۴۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ایک آدمی نے کوئی نیکی نہیں کی تھی جب وہ مرنے لگا تو اس نے
اپنے گھر والوں سے کہا اس کو جلا دینا پھر اس کے نصف کو خشکی میں اڑا دینا
اور نصف کو سمندر میں بہا دینا کیونکہ خدا کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ نے اس پر

گرفت کی تو اس کو اتنا سخت عذاب دے گا کہ تمام جہانوں میں کوئی اس کو اتنا سخت عذاب نہیں دے سکتا! جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کی وصیت کے مطابق کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے خشکی کو حکم دیا تو اس نے اس کے ذرات جمع کر دیئے پھر فرمایا تم نے اس طرح کرنے کا کیوں کہا تھا؟ اس نے کہا اے میرے رب تیرے ڈر کی وجہ سے اور تو زیادہ جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا۔

انتقال اعضاء انسانی کی وصیت کو جائز کہنے والے ایک مولانا صاحب لکھتے ہیں:

''اس حدیث نبوی سے جن امور پر روشنی پڑتی ہے، ان میں سے ایک یہ کہ انسان اپنے مردہ جسم کے متعلق ایسی وصیت بھی کر سکتا ہے کہ اس کو جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا اور دریا میں ڈال دی جائے اگر ایسی صورت میں کوئی وصیت جائز نہ ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس وصیت کو بیان فرمایا تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضرور فرماتے کہ ایسی وصیت کسی حال میں کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔ غرضیکہ اس موقع پر آپ کا کچھ نہ فرمانا ایسی وصیت کے جواز کی دلیل بن سکتا ہے۔'' (۴۷)

جواب: اس حدیث میں جس طرح آپ نے وصیت کرنے سے منع نہیں فرمایا اسی طرح آپ نے اس حدیث میں یہ بھی تو نہیں فرمایا کہ انسان جلانا جائز نہیں دفن کرنا ضروری ہے۔ اس استدلال سے تو انسانی لاش کے جلانے کی وصیت جائز ہونی چاہئے حالانکہ اس کے مجوز وصیت انتقال اعضاء انسانی بھی قائل نہیں ہیں۔

حدیث مذکور کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں:

اماما اوصٰی به فلحله کان جائزا فی شرعهم ذالک تصحیح التوبة فقد ثبت فی شرع بنی اسرائیل قتلهم انفسهم لصحة التوبة (۴۸)

بنی اسرائیل کے آدمی نے جو اپنے جسم کو جلانے کی وصیت کی اور پھر راکھ کو سمندر میں بہانے کی وصیت کی تھی بہت ممکن ہے کہ ان کے مذہب میں اس

طرح ازروئے توبہ لاش جلانے کی اجازت ہو جبکہ ان کی شریعت سے یہ بھی
ثابت ہے کہ ان کے مذہب میں بعض گناہوں کی توبہ قتل نفس پر موقوف تھی
جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ بنی اسرائیل کو گائے پرستی اور گناہ کی توبہ میں
قتل نفس کا حکم دیا گیا تھا۔

یہود کے دین میں انسان کے لئے اپنے جسم کو ہلاک کر کے توبہ کی اجازت تھی جبکہ اسلام میں قتل نفس توبہ مشروع نہیں۔ اسی وجہ سے ابن حجرؒ نے حدیث میں احتمال جواز وصیت کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ممکن ہے ان کے مذہب میں جسم کو جلانا جائز ہو، جبکہ ہمارے مذہب میں جائز نہیں جو چیز قبل از اسلام کسی مذہب میں جائز ہو اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اسلام میں بھی جائز رہے۔ لہٰذا اس حدیث سے انسانی جسم و اعضاء کو عطیہ دینے کی وصیت کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

مجوزین اعضائے انسانی کے عطیہ اور وصیت پر درج ذیل عبادۃ بن الصامت کی حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

من تصدق بشیء من جسد اعطی بقدر ما تصدق (۴۹)

جس نے اپنے جسم سے کچھ صدقہ کیا اس کو اس کے بقدر اجر ملے گا۔

جواب: اس حدیث کے چند مطلب بیان کئے گئے ہیں۔

۱۔ یہ کہ کسی پر کسی شخص نے جنایت کر دی مثلاً اس کا کوئی عضو کاٹ دیا یا اس کی کسی منفعت کو ختم کر دیا اور اس مظلوم نے خالص اللہ کے واسطے اس کو معاف کر دیا تو وہ عنداللہ اس جرم کو معاف کرنے کے مقدار ثواب کا مستحق ہوگا۔

۲۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں صدقہ کرنے سے یہ مراد ہو کہ جس نے اپنے اعضاء بدن سے نیک اعمال انجام دیئے مثلاً کسی نے اپنے ہاتھ سے راستے میں پڑی ہوئی کوئی چیز ہٹا دی تو اس کو اس کے مطابق ثواب ملے گا۔ فیض القدیر شرح جامع صغیر میں ہے:

یعنی من جنی علیه انسان و ان قطع منه عضوا او زال منفعة فعفا عنه لوجه الله اتا به الله تعالیٰ علیه بقدر الجنایة و یحتمل ان المراد بالتصدق بذالک ان یباشر بعض الطاعة ببعض بدنه کان یزیل الاذیٰ عن الطریق بیده فیشاب بقدر ذالک اخرج ابن

سعد عن الربیع بن خشیم انه کان یکنس الحش بنفسه فقیل له انک تکفیٰ هذا قال انی احب ان اخذ نصیبی من الجنة (۵۰)

ترجمہ:(۱) ایک شخص پر کسی نے جنایت کی جب کہ اس کا کوئی عضو کاٹ دیا یا اس کی کوئی منفعت ضائع کر دی، پس اس شخص نے اس کو اللہ کی خاطر معاف کر دیا تو اللہ تعالیٰ اس کو اس معاف کرنے کے بعد ثواب عطا کرے گا۔

(۲) اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد یہ ہو کہ انسان بعض نیک اعمال اپنے اعضاء بدن سے انجام دے، جیسے کہ راستہ سے کوئی ایذا دینے والی چیز ہٹا دی تو اس کو اس کے بقدر ثواب ملے گا۔ چنانچہ ابن سعد نے ربیع بن خشیم سے نقل کیا ہے کہ وہ کیچڑ خود صاف کیا کرتے تھے، اس کو کہا گیا کہ آپ اس کو کافی سمجھتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ میں محنت سے اپنا حصہ حاصل کروں۔

صاحب مجمع الزوائد نے اس حدیث کو باب ماجاء فی العضو عن الجانی والقاتل کے تحت ذکر کیا ہے۔ انہوں نے اس کے علاوہ دیگر احادیث بھی نقل کی ہیں۔

"عن عبادة بن الصامت قال سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ما من رجل یخرج فی نفسه جراحة فیصدق بها الا کفر الله تبارک وتعالیٰ عنه مثل ما تصدق به رواه احمد و رجاله رجال الصحیح"۔

"و عن رجل من اصحاب النبی صلی الله علیه وسلم قال من اصیب لی جسده' بشیءٍ فترکه الله عزوجل لان کفارة له رواه احمد و فیه بحاله و قد اختلط و عن عدی بن ثابت قال هم رجل فم رجل علیٰ عهد معاویة فاعطی دیته فابی ان یقبل حتیٰ اعطی دیته فابی ان یقبل حتیٰ اعطی ثالثا فقال رجل انی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول من تصدق بدم او دونه کان کفاره له من یوم ولد الی یوم تصدق" رواه ابو یعلی و رجاله رجال

الصحیح غیر عمران بن ظبیان و قال فیہ ضعف و قد وثقہ ابن حبان۔" (۵۱)

حضرت عبادۃ بن صامت نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کسی شخص کے جسم میں کوئی زخم لگ جاتا ہے اور وہ اس کو معاف کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے صدقہ کے بقدر اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ امام احمد نے اس کو روایت کیا اور اس کے راوی سب صحیح ہیں۔ ایک صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ جس کسی کے جسم میں کوئی گزند پہنچے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کو چھوڑ دے (بدلہ نہ لے) تو اس کے گناہوں کا کفارہ ہوگا۔ امام احمد نے اس کو روایت کیا اس کی سندیں بحالہ ہیں جو کہ مختلط ہیں۔

عدی بن ثابت سے روایت ہے کہ حضرت معاویہ کے زمانے میں ایک آدمی نے دوسرے کے منہ کو زخمی کر دیا اس کی دیت دی گئی لیکن زخمی آدمی نے دیت لینے سے انکار کیا۔ یہاں تک تین مرتبہ دیت پیش کی گئی ہر دفعہ اس نے انکار کیا اور اس شخص سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس ن جنایت کا خون یا اس سے کم جنایت کا خون معاف کیا تو اس کا معاف کرنا اس کی پیدائش کے روز سے معاف کرنے کے روز تک کے گناہوں کے لئے کفارہ بنے گا ابو یعلی نے اس کو روایت کیا ہے اور اس کے رجال سب صحیح ہیں۔ البتہ عمران بن ظبیان کو ضعیف کہا گیا ہے۔ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔

الحدیث بعضہ یفسر بعضا" محدثین کے مسلمہ اصول کی روشنی میں مجمع الزوائد کی روایت عبادۃ بن صامت کی روایت کی تفسیر و تشریح ہوں گیں۔ نیز عبادۃ بن صامت کی روایت کا وہی مفہوم مراد لیا جائے گا جو قرآن کریم کی آیت "فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ" (۵۲) کا ہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی اس آیت کے تحت لکھتے ہیں:

اخرج ابن مرویہ عن رجل من انصار عن النبی صلی اللہ علیہ

وسلم فی قولہ (فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ) قال ھو رجل یکسر سنہ او یقطع یدہ او یقطع شیء من او یجرح فی بدنہ فیعفو عن ذالک فیحط عنہ قدر خطایاہ فان کان الدیۃُ فربع خطایاہ و ان کان الثلث فثلث خطایاہ و ان کانت الدیہ حطت عنہ خطایاہ کذالک (۵۳)

ترجمہ: ابن مدویہ نے ایک انصاری کے حوالے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس آیت کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے (فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ) کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کا دانت یا ہاتھ ٹوٹ جائے یا اس کا بدن متاثر ہوا ہو اور وہ شخص اس کا بدلہ نہ لے بلکہ معاف کر دے تو اس کے اسی اسی مقدار گناہ معاف ہوتے ہیں۔ پس اگر ربع دیت ہو تو ایک چوتھائی گناہ معاف ہوں گے اگر وہ ثلث دیت کا مستحق ہو تو ایک ثلث گناہ معاف ہو جائیں گے۔

اس کے بعد قاضی صاحب زیر بحث حدیث شریف نقل کر کے ترمذی کے حوالہ سے درج ذیل حدیث نقل کرتے ہیں۔

''وروی الترمذی و ابن ماجۃ عن ابی الدرداء قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من رجل یصاب بشیءٍ فی جسدہ فتصدق بہ الا رفعہ اللہ بہ درجۃ و حط عنہ خطایاہ'' (۵۴)

ترمذی اور ابن ماجہ میں ابو داؤد کے حوالہ سے یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کوئی شخص بھی جس کو کسی دوسرے کی جانب سے کوئی بدنی تکلیف پہنچی ہو اور وہ اس کو معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور ایک خطا معاف کر دیتا ہے۔

علامہ الوسی سے معاف کر دینے کو تصدق سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے ہر ایک نکتہ بیان کرتے ہیں:

''والتعبیر فی ذالک بالتصدق للمبالغۃ فی الترغیب'' (۵۵)

اس آیت میں تصدق تعبیر کرنا اس مقصد کے لئے ہے کہ ان لوگوں کو اس پر

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

آمادہ کرنے میں رغبت دلائی ہے۔

علامہ ابن جوزی اس آیت کے تحت دو قول لکھتے ہیں:

احدھا : انھا اشارۃ الی المجروح، فاذا تصدق بالقصاص کفر من ذنوبہ و ھو قول ابن مسعود و عبداللہ بن عمرو بن العاص والحسن و الشجیٰ

والثانی : و اشارۃ الی الجارح اذا عفا عنہ المجروح کفر عنہ ماجنی و ھذا قول ابن عباس و مجاھد، مقاتل و محمول علی ان الجانی تاب من جنایتہ لانہ اذا کان مصدا فعقوبۃ الاصرار باقیۃ''(۵۶)

اسی طرح تفسیر ماوردی میں ہے: (۵۷)

۱۔ ایک قول یہ کہ اس سے مجروح کی طرف اشارہ ہے۔ پس جب وہ قصاص معاف کر دے گا وہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جائے گا۔ یہ قول ابن مسعود، عبداللہ بن عمرو بن عاص اور الحسن الجی کا ہے۔

۲۔ دوسرا قول یہ کہ جارح کی طرف اشارہ ہے جب مجروع اس کو معاف کر دے تو اس کا معاف کرنا جارح کے گناہ کا کفارہ ہو جائے گا۔ یہ تو ابن عباس، مجاہد اور مقاتل کا ہے اور محمول ہو گا اس پر کہ جانی نے اپنی جنایت سے توبہ کر لی ہے۔ اس لئے کہ جب جانی مصد رہے گا تو اصدار کی سزا بھی باقی رہے گی۔

مجوزین انتقال اعضاء اور وصیت انتقال اعضاء پر ہدایہ شریف مندرجہ ذیل عبارت سے بھی دلیل پکڑتے ہیں۔

'' ان الاطراف یسلک بھا مسلک الاموال فیجری فیھا المبذل بخلاف الانفس''(۵۸)

یعنی اعضاء انسانی کو اموال کی جگہ رکھا جاتا ہے، پس اس میں بذل ہو سکتا ہے، بخلاف نفس کے کہ اس میں بذل نہیں ہو سکتا ہے۔

اس عبارت سے مجوزین اس طرح دلیل پکڑتے ہیں کہ اس عبارت میں اعضاء انسانی کو

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

مال کے قائم مقام کہا گیا ہے۔ مال میں چونکہ بذل اور خرچ ہوسکتا ہے اسی طرح اعضاء انسانی میں بذل ہوسکتا ہے یعنی جس طرح انسان مال میں تصرف کرسکتا ہے اعضاء میں بھی کرسکتا ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب ہدایہ میں ہی موجود ہے۔ ہدایہ کی ابتداء سے پوری عبارت پڑھنے سے اس کا جواب خود بخود آ جاتا ہے۔

ہدایہ کی پوری عبارت درج ذیل ہے۔

قال ومن ادعی قصاصا علٰی غیرہ فجنحدہ استحلو بالاجماع ثم ان نکل عن الیمین فیما دون النفس یلزمہ القصاص و ان نکل فی النفس جنس حتٰی یحلف او یقر و ھذا عند ابی حنیفۃ و قالا لزمہ الارش فیھا لان النکول اقدار فیہ شبھۃ عندھما فلا یثبت بہ القصاص و یجب بہ المال خصوصا اذا کان امتناع القصاص بمعنی من جھۃ من علیہ القصاص کما اذا اقر بالخطا والولی یدعی العمل ولابی حنیفۃ ان الاطراف یسلک بھا مسلک الاموال لیجزی فیھا البذل بخلا الانفس فانہ لو قال اقطع یدی فقطعہ لا یجب الضمان و ھذا اعمال للبذل الا انہ لا یباح لعدم الفائدۃ و ھذا البذل مفید لاندفاع الخصومۃ بہ فصار ک قطع الید للاکلۃ و قلع السن للوجع "(۵۸)

ترجمہ: اگر کسی شخص نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا پھر مدعیٰ علیہ نے اس کا انکار کیا تو بالاتفاق مدعیٰ علیہ سے قسم لی جاوے، پھر اگر مدعیٰ علیہ نے دعویٰ نفس سے کم میں قسم سے انکار کیا تو اس پر قصاص لازم ہوگا اور اگر قصاص نفس میں قسم سے انکار کیا تو مدعیٰ علیہ کو قید خانہ میں ڈالا جاوے۔ یہاں تک کہ وہ قسم کھاوے یا اقرار کرے اور یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے کہا کہ نفس سے کم میں اور نفس میں ہر دونوں صورتوں میں اس پر ضمان دیت لازم ہے۔ اس واسطے کہ قسم سے انکار کرنا ایسا اقرار ہے جس میں شبہ ہوتا ہے تو انکارِ قسم سے قصاص ثابت نہ ہوگا بلکہ مال واجب ہوگا خصوصاً

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

جبکہ قصاص کا منع ہونا اسے معنی سے ہو جو اس شخص کی طرف سے پادے جائیں۔ جس پر قصاص لازم ہے جیسے قاتل نے قتل خطا کا اقرار کیا اور ولی قتل عمد کا مدعی ہے تو امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ اطراف میں مال کے معاملہ کا برتاؤ ہوتا ہے۔ پس اطراف میں بذل (۵۹) جاری ہوگا۔ بخلاف نفس کے اس میں (بذل نہیں ہوتا)

چنانچہ اگر اس نے دوسرے سے کہا کہ میرا ہاتھ کاٹ دے پس اس نے کاٹ ڈالا تو ہاتھ کا تاوان واجب نہ ہوگا۔ اور یہ بذل کا اثر ہے لیکن یہ حلال اس لئے نہیں کہ اس میں کچھ فائدہ نہیں اور یہاں پر قسم سے انکار کی وجہ سے جو بذل ہے وہ اس واسطے مفید ہے کہ اس بذل سے باہمی خصومت دفع ہوئی تو ایسا ہو گیا جیسے زخم آکلہ کی وجہ سے جراح نے ہاتھ کاٹ دیا اور درد کی وجہ سے دانت اکھاڑ دیا۔

خلاصہ یہ کہ یہاں پر دفع الضرر عن نفس المدعی علیہ کے لئے بذل اعضاء تو ہوا ہے لیکن کسی اعضاء کی تملیک یا ہبہ نہیں ہوا نہ ہی وصیت ہوئی اور بذل دفع الضرر عن نفسہ مفید ہے۔ (۶۰)

ہدایہ کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے:

۱۔ انسانی اعضاء میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک بذل ہو سکتا ہے جبکہ کسی کا شخصی حق قصاص وغیرہ آدھا ہو۔

۲۔ یا انسان اپنے نفس سے کسی ضرر کو دفع کرنا چاہتا ہو۔

۳۔ یا کسی عضو کے بذل پر اس کے دوسرے اعضاء یا جسم کی حفاظت وصحت موقوف ہو۔

۴۔ بذل اور ہبہ ایک شیء نہیں۔ اس لئے بذل کرنے کے جواز سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انسان اپنے اعضاء کا مالک ہے بلکہ بذل کرنے کے جواز اور ہبہ وتملیک کے عدم جواز سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم و اعضاء اباحۃً تو استعمال کر سکتا ہے، لیکن کسی دوسرے کے منتقل نہیں کر سکتا۔

انتقال اجزائے انسانی کی وصیت کے مجوزین دیت سے بھی استدلال کرتے ہیں وہ کہتے ہیں دیت انسانی جان اور اعضاء کی قیمت ہے لہٰذا مال ہے اور مال کو ہبہ کیا جا سکتا ہے اور اس کی وصیت بھی ہو سکتی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ قتل خطا میں دیت اور تاوان کا واجب ہونا اور جان کی ہلاکت کے

علاوہ دوسری جنایت میں ارش کا ہونا لازم ہے۔ یہ اس وجہ سے ہیں کہ انسان اپنے جسم و اعضا کا مالک ہے اور نہ ہی دیت وارش انسان کی قیمت یا ثمن ہے بلکہ دیت انسان اور انسانی اعضاء کو نقصان پہنچانے کا تاوان اور ضمان ہے۔ اگر دیت انسان اعضاء انسان کی قیمت یا ثمن ہوتی تو شریعت کی طرف سے اس کا تعین نہ ہوتا جیسے دوسرے اموال کی قیمت اور ثمن انسان خود متعین کرتا ہے۔ اس کی قیمت بھی انسان خود مقرر کر سکتا تھا لیکن ایسا کرنا جائز نہیں کہ دیت کی مقدار اور مد میں تبدیلی کی جا سکے۔

۲۔ اگر دیت انسان کی قیمت ہوتی تو تمام آزاد لوگوں کی ایک ہی دیت نہ ہوتی بلکہ فرق مراتب کے اعتبار سے قیمت کا تعین ہوتا۔

۳۔ آزاد و غلام کا فرق نہ ہوتا بحیثیت انسان سب کی قیمت قابلیت اور زیادتِ اوصاف کی بناء پر ہوتی۔

۴۔ دیت کبھی خود قاتل ادا کرتا ہے، کبھی عاقلہ یعنی کنبہ و خاندان کبھی اہل دیوان کبھی کمپنی ادا کرتی ہے۔ کیا انسان کی املاک کی قیمت کنبہ و اہل محلہ، برادری پر واجب ہے؟ نہیں ہرگز نہیں تو پھر دیت کو انسانی اعضاء انسان کی قیمت کہنا کس طرح صحیح ہے۔

۵۔ دیت وراثت میں تقسیم ہوتی ہے، کیونکہ ضمان املاک میں شامل ہو جاتا ہے۔ کیا مردہ انسان کو بھی بحیثیت املاک وراثت میں تقسیم کیا جائے گا اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر دیت اور انسان میں فرق ماننا ضروری ہوگا۔ انسان املاک میں شامل نہیں جبکہ دیت املاک میں شامل ہو جاتی ہے۔

۶۔ انسان اپنے جسم کا مالک نہیں۔ اس لئے اسے کسی قیمت پر زندگی میں فروخت نہیں کر سکتا نہ ہی فروخت کر سکتا ہے نہ ہی قیمت اپنی طرف سے متعین کر سکتا ہے۔ دیت انسان یا انسانی اعضاء کی قیمت نہیں بلکہ انسانی جنایات کا ضمان و تاوان ہے۔ (۶۱)

چنانچہ بدائع والصنائع دیت کی وجود تحریر ہیں:

''اما المعقول فمن وجهين احدهما ان الاديت فيه اصل و اطالية عارض و وتبع والعارض لا يعارض الاصل والتبع لا يعارض المتبوع و دليل اصاله الأدمية وجوه احدها انه فيما خلق خلقه ادميًا ثم ثبت فيه وصف اطالية بعارض الرق والثانى ان قيام المالية

فيه باس دمیه وجودا و بقاءً لاعلى القلب، والثالث ان المال خلق و قابةللنفس والنفس ما خلقت و قاية للمال مكانت الأدمية فيه اصلاً وجودا و بقاءً عرضًا والثانى ان حرمة الأدمى فوق حرمة المال لان حرمة المال لغير و حرمة الأدمى لعينه'' (۶۲)

اور معقول سے استدلال کی دوصورتیں ہیں۔

۱۔ ایک تو یہ ہے کہ وہ پیدا کیا گیا ہے، پھر اس میں مالیت کی صفت غلامی کی وجہ سے پیدا ہوگئی۔

۲۔ دوسرے یہ کہ اس میں مالیت کا قیام ''وجودا'' اور بقاء دونوں کے اعتبار سے آدمیت کی وجہ سے ہے نہ کہ اس کے برعکس۔

۳۔ تیسرے یہ کہ مال کو جان کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جبکہ جان کو مال کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے پیدا نہیں کیا گیا۔ لہٰذا اس میں وجود و بقاء اور عرض ہر اعتبار سے اصل آدمیت ہے۔

۴۔ معقول سے استدلال کرنے کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی کی حرمت مال کی حرمت پر فائق ہے، کیونکہ مال کی حرمت کسی اور (یعنی صاحب مال) کے واسطے ہے، جبکہ آدمی کی حرمت خود اس کی خاطر ہے۔

''فكان اعتبار النفسيه و اهدار المالية اولى من القلب'' (۶۳)

پس اس نفس ہونے کا اعتبار کرنا اور اس کے مال ہونے کو نظرانداز کرنا اولیٰ ہے بہ نسبت اس کے برعکس کے۔

ابن ہمام لکھتے ہیں:

'' فالاظهر فى تفسير الدية ما ذكره صاحب الحناية آخرا فانه بعد ان ذكر مثل ما ذكر فى المغرب و عامة الشروح قال والدية اسم لضمان يجب بمقابلة الأدمى او طرف منه'' (۶۴)

صاحب عنایہ نے دیت کے بارے میں جو کچھ آخر میں ذکر کیا اور اس طرح جو کچھ مغرب اور عام شروح میں مذکور ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ دیت انسان یا اطراف انسان کے مقابلہ میں ضمان ہے (قیمت نہیں)

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

بدائع کی مذکورہ عبارت سے اس اعتراض کا جواب بھی آ گیا کہ غلام و لونڈی کی خرید و فروخت جائز ہے، تو یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ انسان مال نہیں اور اس کی خرید و فروخت جائز نہیں۔ (فتدبر)

اسبقہ ابحاث سے معلوم ہو گیا کہ انسان مال نہیں ہے۔ اس لئے اس کی ضرورت نہیں کہ یہ ثابت کیا جائے کہ انسان مال متقوم نہیں، اس کے باوجود چند دلائل انسان کے مال متقوم نہ ہونے پر ذکر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال قال الله تعالیٰ ثلثة انا خصمهم يوم القيامة رجل اعطی بی ثم غدر و رجل باع حراً فاكل ثمنه' و رجل فاستوفی منه ولم يحبط اجره" (۶۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز تین آدمی میرے خصم اور مدعی علیہ ہوں گے، اور میں ان کے خلاف مدعی ہوں گا۔

۱۔ ایک وہ شخص جو میرے نام پر عہد کرے قسم کھائے پھر مکر جائے۔

۲۔ دوسرا وہ شخص جس نے آزاد آدمی کو بیچا اور اس کی قیمت کھا گیا۔

۳۔ تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور آدمی سے پورا کام لیا لیکن اس کی اجرت نہیں دی۔

۲۔ عن ابن عباس ان المشركون اراد و ان يشتروا جسد رجل من المشركين فابی النبی صلی الله عليه وسلم ان يبيعه" (۶۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین نے اپنے ایک آدمی کو خریدنے کا ارادہ کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فروخت کرنے سے انکار فرمایا۔

المغازی میں محمد بن اسحاق نے روایت نقل کی ہے:

"ان المشركين سالوا النبی صلی الله عليه وسلم ان يبيعهم جسد نوفل بن عبدالله بن مغيرة و كان اقتحم الخندق فقال النبی صلی الله عليه وسلم لا حاجة لنا بثمنه ولا جسد فقال ابن هشام بلغنا عن الزهدی انهم بذلوا فيه عشرة الاف۔" (۶۷)

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

مشرکین نے غزوۂ خندق کے موقع پر نوفل بن عبداللہ کے مردہ جسم کو خریدنا چاہا جو خندق میں گر کر مر گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قیمت اور معاوضہ لینے کی ہمیں ضرورت نہیں نہ اس کے جسم کی حاجت ہے، ابن ہشام نے کہا زہری سے ہمیں روایت پہنچی ہے کہ مشرکین نے اس کے بدلہ میں دس ہزار درہم کی پیشکش کی تھی۔

مذکورہ حدیثوں سے معلوم ہوا کہ آزاد آدمی کی بیع جائز نہیں خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ مؤمن ہو یا کافر۔ جس طرح آزاد آدمی کے جسم کی بیع جائز نہیں اور یہ اصول ہے جس کی بیع جائز نہیں اس کا ہبہ اور عطیہ و وصیت بھی جائز نہیں۔ یہاں یہ بھی یاد رہے زندگی میں غلام کی اگر چہ بیع جائز ہے، مگر اس کے کسی اندام کو کاٹ کر بیچنا جائز نہیں۔ مرنے کے بعد جس طرح آزاد مرد کی بیع جائز نہیں اسی طرح غلام کے جسم اور اعضاء کی بیع بھی جائز نہیں ہے۔ اس لئے مولیٰ یا غلام لئے اس کے اعضاء کی وصیت نہیں کر سکتے۔

فقہاء اسلام کے نزدیک آزاد انسان مال متقوم نہیں۔

اب کتب فقہ سے آزاد آدمی مال متقوم نہ ہونے پر چند حوالے درج کئے جاتے ہیں۔

۱۔ بدائع میں ہے:

"من شرائط البیع ان یکون مالا لان لبیع مبادلة المال بالمال فلا ینعقد بیع الحر لانه لیس بمال و کذا بیع ام الولد لانها حرة من وجه لماروی عن النبی صلی اللہ علیه وسلم انه قال اعتقها ولدها روی عنه علیه الصلوٰة والسلام انه قال فی ام الولد لاتباع ولا تذهب وهی حرة من الثلث بقی علیه الصلوٰة والسلام جواز بیعها مطلقا وسماها حرة فلا تکون مالا علی الاطلاق۔" (۲۸)

اور بیع کی شرائط میں یہ ہے کہ مبیع مال ہو کیونکہ بیع نام ہے مبادلة المال بالمال، اسی وجہ آزاد آدمی کی بیع جائز نہیں اس لئے کہ وہ مال نہیں، اسی طرح ام ولد کی بیع حرام ہے کیونکہ ام ولد بچہ جننے سے پہلے بھی جب کہ وہ حاملہ ہو من وجہ آزاد ہوتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کے

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری۔

بچے نے اسے آزاد کر دیا ہے، اس کو نہ بیچا جائے گا اور نہ ہبہ کیا جائے گا اس لئے کہ وہ آزاد ہے۔ یہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام ولد کی بیع کی علی الاطلاق ناجائز فرمایا ہے۔

۲۔ ہدایہ میں ہے:

''البیع بالمیتة والدم باطل و کذا بالحر لانعدام البیع رکن البیع وھو مبادلة المال بالمال فان ھذہ الاشیاء لا تعد مالا عند احد'' (۶۹)

مردار یا خون کے عوض بیع باطل اسی طرح آزاد آدمی کے عوض بیع باطل ہے۔ اس لئے کہ رکن بیع مبادلۃ المال بالمال مفقود ہے کیونکہ یہ چیزیں کسی کے نزدیک مال نہیں، نیز لکھتے ہیں:

''البیع بالخمر والخنزیر فاسد لوجود حقیقة البیع وھو مبادلة المال بالمال فانه مال عند البعض'' (۷۰)

اور شراب اور سود کے عوض بیع فاسد ہے کیونکہ حقیقت بیع یعنی مبادلۃ المال بالمال موجود ہے۔ چنانچہ بعض لوگوں کے نزدیک یہ چیزیں مال ہیں۔

۳۔ مبسوط سرخسی میں ہے:

''بیع الحر لا یحوز لان دخول الشی فی العقد بصفة المالیة والتقوم و ذالک لا یوجد فی الحر۔'' (۷۱)

انتقال اعضاء انسانی کی وصیت عدم جواز کتب فقہ کی روشنی میں اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے وصیت کی تعریف جاننا ضروری ہے اس لئے مندرجہ ذیل سطور میں وصیت کی تعریف بیان کی جاتی ہے، وہ یہ ہے:

الوصیت : تملیک مضاف الی ما بعد کان او منفعة ھذا ھو التعریف المذکور فی عامة الکتب و ذکر فی الایضاح ان الوصیة ھی ما اوجبه الانسان فی ماله بعد موته او فی مرض موته والوصیة بھذا المعنی ھی المحکوم علیھا بانھا مستحبه غیر واجبة و ان القیاس یأبی جوازھا (۷۲)

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

وصیت کا مطلب یہ ہے کہ از روئے تبرع کسی چیز یا اس کی منفعت کو کسی کی ملک میں موت کے بعد معلق کر کے دے دینا یہ تعریف تو عام کتابوں میں ہے اور ایضاح میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ انسان حالت صحت یا حالت مرض میں اپنے مال پر جو کچھ اپنے اوپر واجب کرنا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد فلاں مال فلاں شخص کو دے دیا جائے۔ عطیہ کے طور پر وصیت ہے اور یہ وصیت مستحب ہے واجب نہیں، خلاف قیاس اور خلاف عقل ہے۔

ابن نجیم لکھتے ہیں:

والقیاس یابی جوازھا لانھا تملیک مضاف الیٰ حال زوال الملک ولو اضافہ الی حال قیامۃ بان قال ملکتک غدا، کان باطلا فھذا اولیٰ الا ان الشارع اجازہ لحاجۃ الناس الیھا (۷۳)

وصیت کا جواز قیاس کے خلاف ہے قیاس اسے تسلیم نہیں کرتا کیونکہ وصیت میں مال کی تملیک بعد الموت منسوب ہوتی ہے، جبکہ مرنے کے بعد انسان کی ملکیت ہی ختم ہو جاتی ہے مگر شارع نے انسان کی ضرورت و حاجت کی بنا پر اس کی اجازت دی ہے۔

نیز لکھتے ہیں:

قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اللہ قد تصدق علیکم بثلث اموالکم عند وفاتکم زیادہ فی حسناتکم لیجعلھا لکم زیادہ فی اعمالکم علیہ اجماع الامۃ (۷۴)

اللہ تعالیٰ نے تمہاری نیکیوں میں اضافہ ہو جائے اور تمہارے اعمال میں زیادتی ہو جائے اور اسی پر امت کا اجماع ہے۔

مبسوط میں ہے:

ان الوصیۃ مشروعۃ لنا لا علینا قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ان اللہ تصدق علیکم بثلث اموالکم فی اعمارکم زیاۃ فی اعمالکم (۷۵)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ : ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

کتب فقہ و اصول فقہ میں یہ قاعدہ ہے کہ انسان جس شی کا مالک نہیں کسی دوسرے کو اس شے کے دینے کے بارے میں وصیت نہیں کر سکتا اور تمام فقہا کا اجماع ہے کہ ہبہ وعطیہ کرنے یا کسی شے کا کسی کو دینے کی وصیت کرنے کیلئے یہ شرط ہے کہ ہبہ کرنے والا یا وصیت کرنے والا اس شئے کا مالک ہو، یہی وجہ ہے کہ مستعار شئے جس کے پاس بطور امانت موجود ہو یا اباحۃ جس کو کچھ دیا گیا یا استعمال کا جس کو حق ملا ہو۔ اسے اس کا حق نہیں کہ شئے مستعار یا استعمال کے لئے لی ہوئی چیز کسی دوسرے کو ہبہ یا عطیہ کردے نہ ہی اس کو ایسے قسم کے مال کے بارے میں وصیت کا حق ہے۔ (۷۶)

بدائع میں ہے:

منها ان يكون مالا فلا تجوز هبة ما ليس بمال اصلا كالحر والميتة والدم و الاحرام والخنزير و غير ذالک علىٰ ما ذكرنا فى البيوع (۷۷)

ہبہ اور عطیہ کے لئے شرط یہ ہے کہ آزاد آدمی، مردار خون، حرام اور احرام والے کا شکار کیا ہوا جانور خنزیر وغیر جیسا کہ ہم نے ذکر کر چکے ہیں۔

صاحب بدایۃ المجتہد لکھتے ہیں:

اما الواهب فانهم اتفقوا علىٰ ان تجوز هبة اذا كان مالكا صحيح الملک (۷۸)

واہب یعنی عطیہ دینے والے کے لئے جمہور کے نزدیک متفقہ شرط یہ ہے کہ واہب شیء موہوب کا واقعی مالک ہو۔

ومن شرائط الوصيت ان يكون الرجل مالكاً و كون الشى قابلا للتمليک (۷۹)

ثم البرع بعد الوفاة معتبر بالتبرع فى حالة الحياة و ذالک احسان مندوب اليه و كذالک التبرع بالوصية بعد الموت (۸۰)

”و شرطها كون الموسى اهلا للتمليک والموصى له اهلا للتمليک والموصى به بعد الموسىٰ به مالا قابلاً للتمليک“ (۸۱)

و اما الذى يرجع الى الموصىٰ به فانواع منها ان يكون مالا او

متعلقا بالمال لان الوصية ايجاب الملک او يجاب ما يتعلق بالملک من البيع والهبة والصدقة والاعتاق و محل الملک هو المال فلا تصح الوصية بالميتة والدم من احد و لاحد لانها ليسا بمال فی حق احد والا بجلد الميتة بمال غير متقوم كالخمر الخ (۸۲)

جہاں تک ان شرطوں کا تعلق ہے جو موصی بہ (وہ چیز کہ جس کی وصیت کی گئی ہے) سے متعلق ہیں تو یہ کئی ہیں۔ ان میں سے یہ شرط ہے کہ موصی بہ مال ہو یا متعلق بہ مال کیوں کہ وصیت ملک کا ایجاب ہے یا ملک سے متعلق مثلاً بیع ہبہ، صدقہ اور اعتاق (آزاد کرنا) کا ایجاب ہے اور ملک کا محل مال ہے، پس مردے اور خون کی وصیت کسی کی طرف سے اور کسی کے حق میں درست نہیں ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں کسی کے حق میں مال نہیں ہیں۔ مردے کی کھال بھی دباغت سے پہلے مال نہیں ہے۔ اور ہر وہ چیز جو مال نہیں ہے اور ایک شرط یہ ہے کہ موصی بہ مال متقوم ہو پس غیر متقوم مال مثلاً شراب کی وصیت جائز نہ ہوگی۔

فانها و ان كانت مالا حق نورث لكنها غير متقومة فی حق المسلم حتیٰ لا تكون مصمونة بالاتلاف فلا تجوز الوصيت من السلم (۸۳)

کیونکہ شراب اگرچہ مال ہے حتیٰ کہ یہ میراث بھی بنتی ہے لیکن یہ مسلمان کے حق میں مال متقوم نہیں چنانچہ اس کے اتلاف پر ضمان عائد نہیں ہوتا۔ پس مسلمان کی طرف سے اور مسلمان کے حق میں شراب کی وصیت درست نہیں ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی خودکشی والی حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"و يوخذ منه ان جناية الانسان علیٰ نفسه كجناية علیٰ غيره فی الاثم لان نفسه ليت ملكاً له مطلقا بل هی لله تعالیٰ فلا يتصرف فيها الا بما اذن فيه" (۸۴)

یعنی خودکشی کرنے کی ممانعت والی حدیث سے یہ حکم نکلتا ہے کہ جو انسان

اپنے آپ کو ہلاک کرنے اور نقصان پہنچانے کا گناہ، کیونکہ انسان کا جسم و جان اس کی اپنی ملکیت نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے ۔ انسان کو صرف اس سے کام لینے کا اختیار ہے۔ کام بھی وہ جن کے متعلق اللہ کی طرف سے اذن و اجازت ہے۔

علاوہ ازیں مرنے کے بعد کسی چیز سے تبرع اور نیکی کرنے کی شرعی حیثیت پر موت ہے کہ زندگی میں انسان اس چیز سے تبرع اور نیکی کر سکتا ہے یا نہیں۔ یہی حکم مرنے کے بعد وصیت کر کے نیکی حاصل کرنا بھی امر مستحسن ہو گا۔

نیز البحر میں ہے کہ مال وصیت بھی اسی وقت مستحب جبکہ اس سے ارتکاب حرام لازم آتا ہو۔ ورنہ وصیت جائز نہ ہوگی نہ ہی ورثا پر اس کی تنفیذ لازم ہوتی ہے۔

لہٰذا اعضائے انسانی کی وصیت کرنا از روئے قرآن وسنت اور فقہ اسلامی باطل ہے اور غیر شرعی۔ ایسی وصیت کی تنفیذ ورثاء پر نہ صرف یہ کہ لازم نہیں بلکہ ایسی وصیت پر عمل کرنے سے ورثاء اور ذمہ دار افراد گنہگار ہوں گے۔

ضروری اطلاع

مجلہ فقہ اسلامی کے لئے چیک حسبِ ذیل اکاؤنٹ اور نام پر بنائیں

Dr. Noor Ahmed Shahtaz A/C. No. 491-1 NBP

☆ اپنے چیک، منی آرڈرز، رجسٹرڈ ڈاک اور عام خطوط اس پتہ پر ارسال فرمائیں :

اسکالرز اکیڈمی پوسٹ بکس نمبر 17887 گلشن اقبال کراچی 75300

☆ نوٹ : یہ تاثر درست نہیں کہ پوسٹ بکس پر رجسٹرڈ ڈاک یا منی آرڈرز نہیں پہنچتے پوسٹ بکس پر تمام ڈاک اور منی آرڈر ہمیں بآسانی مل رہے ہیں۔ (مجلس ادارت)

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆